

## جماعت اٹھ کھڑی ہو کیونکہ نئی صدی میں ہم نے داخل

## ہونا ہے جس کی تمام ذمہ داریاں ہم پر ڈالی جائیں گی

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 مئی 1997 بمقام نرسپیٹ۔ ہالینڈ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

آج کا یہ خطبہ میں ہالینڈ (نن سپیٹ) سے دے رہا ہوں جہاں اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ ہالینڈ کے سالانہ جلسے کا آغاز ہو رہا ہے۔ جو باتیں میں اس سے پہلے چند خطبات میں کہتا رہا ہوں ان کا تعلق توبہ سے ہے اور اسی تعلق میں ہالینڈ کی ضروریات کو بھی میں پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ اور باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ہالینڈ کی ضروریات دراصل باقی ملکوں کی ضروریات سے بنیادی طور پر تو الگ نہیں لیکن ہر ملک کے ماحول اور حالات کا ایک فرق ہوا کرتا ہے اسی فرق کی نسبت سے جماعت احمدیہ کو اپنی حکمت عملی طے کرتے ہوئے بعض خاص پہلو اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

ہر قوم کا ایک مزاج ہے باوجود اس کے کہ ہالینڈ یورپ ہی کا ایک حصہ ہے مگر مزاج کے اعتبار سے یورپ کی ہر قوم میں ایک فرق ہے اور بہت نمایاں امتیاز ہیں جو ایک کو دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔ تو اس پہلو سے ہالینڈ یورپ کا حصہ ہوتے ہوئے بھی ان سے ایک الگ شخصیت رکھتا ہے اور اس شخصیت کی پہچان ضروری ہے جس کے بغیر ہم حقیقی، معنی خیز اور مفید لائحہ عمل بنا نہیں سکتے۔ پس جب میں نے ہالینڈ کی ضرورت کہا تو ایک تو یہ امتیازی ضرورت ہے جس کا ہالینڈ ہی سے تعلق ہے

اور ایک وہ ضرورت ہے جو تمام عالم میں ہر جماعت کی ایک ہی ضرورت ہے یعنی تربیت اور انسان کو پہلے سے بہتر حال میں ہمیشہ اس طرح آگے بڑھاتے چلے جانا کہ اس کا رخ خدا ہی کی طرف ہو اور غیر اللہ کی تمام طاقتوں سے وہ دور ہٹتا چلا جائے اور اللہ کے قریب ہوتا چلا جائے۔ یہ بنیادی پیغام ہے ہر مذہب کا جو سب سے زیادہ وضاحت اور قوت کے ساتھ اسلام نے پیش فرمایا اور یہ احمدیت کی بنیادی ضرورت ہے جو ہر ملک میں یکساں ہے اور اس تربیت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ ہی بلکہ اس سے تعلق رکھنے والی تبلیغی ضرورت ہے کیونکہ یہی تربیت جب غیروں کی طرف رخ کرتی ہے تو اسی کا نام تبلیغ ہو جاتا ہے ورنہ حقیقت میں تو بنیادی روح ہر مذہب کی تربیت ہی ہے یعنی ہر انسان کی اصلاح کرنا۔

پس اس پہلو سے جو توبہ کا مضمون میں نے شروع کیا تھا اسی مضمون کے تعلق میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور اقتباس میں آج آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”توبہ کرنے والا گنہگار جو پہلے خدا تعالیٰ سے دور اور اس کے غضب کا نشانہ بنا ہوا تھا اب اس کے فضل سے اس کے قریب ہوتا اور جہنم اور عذاب سے دور کیا جاتا ہے۔“ (یہ وہی بات ہے جو خلاصہ میں نے آپ کے سامنے رکھی کہ ہر مذہب کا بنیادی مقصد ہے۔) ”اب اس کے فضل سے اس کے قریب ہوتا“ (یعنی اللہ کے) ”اور جہنم اور عذاب سے دور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرة: 223)۔“

یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ اور جو نیکی چاہتے ہیں جو پاکیزہ ہونا چاہتے ہیں ان سے بھی محبت رکھتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کا خود بھی ترجمہ فرمایا ہے جو میں پڑھ کے سناتا ہوں۔

”بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان

لوگوں سے جو پاکیزگی کے خواہاں ہیں پیار کرتا ہے۔ اس آیت سے نہ صرف

یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔“

یعنی دوست رکھتا ہے کہ ترجمہ خود محبوب بنا لیتا ہے بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام ہی نے فرمایا ہے:

”بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور

طہارت شرط ہے“۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ: 115)

یہ وہ مضمون ہے جس پر میں کچھ مزید یہاں ٹھہر کر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ فرمائی گئی اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ اللّٰهُ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یا دوسرے لفظوں میں ان کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور ساتھ ہی فرمایا وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اور وہ لوگ جو پاک ہونا چاہتے ہیں ان سے محبت کرتا ہے یہ دو الگ الگ باتیں نہیں۔ دراصل توبہ ہی کی تفصیل میں مزید یہ فرمایا گیا ہے۔

توبہ کا جو عام مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ ایک گناہ سے انسان روگردانی کر لے، اس سے منہ پھیر لے اور اللہ تعالیٰ سے کہے کہ مجھے معاف فرما دے اور توبہ گویا مکمل ہو گئی۔ یہ آیت کریمہ صرف یہ بات بیان نہیں کرتی بلکہ یہ بیان فرماتی ہے کہ توبہ کی پہچان یہ ہے، توبہ کا پہلا پھل جو توبہ کرنے والے کو نصیب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مطہر بن جاتا ہے۔ مطہر کا مطلب یہ ہے کہ نیک ہونا چاہتا ہے، نیکی کی جستجو کرتا ہے، پاک ہونے کی طلب کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے مدد کے بغیر یہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ تو توبہ کے ساتھ ہی مطہر ہونا ایک لازمی شرط ہے۔ کوئی شخص بھی جب ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے اگر وہ ساتھ ساتھ مطہر نہ ہو تو ہمیشہ اس کو دوبارہ اس گناہ میں لوٹنے کا خطرہ درپیش ہوگا۔ یہ ایک گہرا نفسیاتی نکتہ ہے جس کی طرف اس آیت کریمہ نے اشارہ فرمایا ہے۔

ہر انسان جو گناہ میں مبتلا رہتا ہے، رہ چکتا ہے یا اس نے گناہ سے مسلسل تعلق جوڑا ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ توبہ کرنے کی خواہش پیدا ہو بھی تو گناہ کی محبت اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے اور اس کی حالت متطہر کی نہیں ہوتی۔ یعنی ایسے شخص کی نہیں کہ جو پاک ہونا چاہتا ہے بلکہ ایسے شخص کی ہوتی ہے جو گناہ کرنا چاہتا ہے اس کے باوجود توبہ کر رہا ہے اور اکثر توبہ کرنے والوں کا یہی حال ہے کہ جس گناہ سے توبہ کرتے ہیں اس کی محبت ان کے دل سے مٹتی نہیں ہے۔ اس کی محبت مسلسل اس گناہ کی طرف انہیں کھینچ رہی ہوتی ہے اور توبہ کرتے ہیں اپنی طبیعت کے خلاف، اپنے مزاج کے خلاف اور ایسی توبہ جو ہے وہ ہمیشہ خطرے میں رہے گی۔ کبھی بھی ایسی توبہ کرنے والے کو ہمیشہ کا امن نصیب نہیں ہو سکتا۔

کیوں کہ ایک طرف توبہ کا عزم ہے دوسری طرف گناہ کی ایک طبعی محبت ہے ان دونوں کے درمیان ایک جھگڑا شروع ہوا ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا اور بالآخر زمین کی کشش اس کو واپس زمین کی طرف کھینچ لاتی ہے۔

پس توبہ کا جو ایک پہلو ہے کہ گناہ سے بچنے کا ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا اور اس کی طرف جھکنا یہ پہلو بظاہر پورا ہو جاتا ہے مگر فی الحقیقت یہ مستقلاً ایسے انسان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ متطہر میں جو مضمون ہے وہ یہ ہے کہ توبہ کرتے ہی نیکی کی حرص لگ جائے اور پاک ہونے کی ایک بے قرار تمنادل میں تڑپنے لگے۔ متطہر ہو جائے، ہر وقت یہ چاہے کہ اب میں پاک ہو جاؤں یہ پاکی کی تمنا انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے پر مجبور کرتی ہے اور بار بار اس کی طرف نظر اٹھا کر اس سے یہ تمنا اوایلا کرتی ہے کہ اے اللہ ہم تیری خاطر ایک گناہ سے منہ موڑ چکے ہیں لیکن نیکی جب تک ہمارے بدن کا دائمی جزو نہ بن جائے، جب تک ہم ان لوگوں میں شمار نہ ہوں جو تیرے نزدیک پاک ہیں اس وقت تک ہمیں چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ایسے پاک ہونے کی تمنا رکھنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ محبت کرتا ہے اسے کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔

پس اکثر انسان اس تجربے سے گزر چکے ہیں اور گزرتے رہتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جن کو توبہ کا خیال ہی نہیں آتا۔ بعض گناہ ان کے وجود کا دائمی حصہ بن جاتے ہیں۔ بعض کمزوریاں ان کی سرشت ہو جاتی ہیں۔ مثلاً بعض اگر نماز میں سست ہیں، روزے میں سست ہیں، جھوٹ کی عادت ہے، چالاکی سے کام لے کر اپنا فائدہ اٹھانا ہے یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں عام ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک بات بہت ہی بڑی بات ہے اور ایسی ہے جو انسان کو جہنم کے کنارے تک ہی نہیں، جہنم میں داخل کرنے کا موجب بن سکتی ہے اور ان چیزوں کی طرف سے انسان ایسا غافل رہتا ہے کہ کبھی آنکھ ہی نہیں کھلتی کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں اور کیسی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اس کو خیال ہی نہیں آتا کہ میں وقت کے امام کے ہاتھ پر بیعت کر کے توبہ کر چکا ہوں۔ یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنے اسلام کا ایک عہد نو قائم کیا ہے جس کی رو سے گویا حقیقت میں میں حضرت رسول اللہ ﷺ کا غلام بن گیا اور آپ کے پیچھے چلنے والا ہو گیا۔

یہ بیعت کی روح ہے جو توبہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ ہر بیعت کے ساتھ توبہ کا لفظ آتا ہے۔ پس توبہ منہ سے تو ہو جائے مگر عملاً زندگی کے ہر جزو میں توبہ سے بے اعتنائی ہو، یعنی خیال بھی نہ آئے کہ میں توبہ کا محتاج ہوں، معلوم ہی نہ ہو کہ میرے اندر کیا کیا روگ بس رہے ہیں، یہ غفلت کی حالت ہے جو لازماً انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ پس سچی توبہ سے پہلے ایک بے داری کا دن ہے اور وہ بے داری کا دن ہے جس کی طرف میں آپ کو بلاتا ہوں۔ کسی دن بے دار ہوں اور جیسے بے دار ہونے والا بعض دفعہ اگر دیر سے بے دار ہو تو ہڑبڑا کر اٹھتا ہے۔ کئی لوگ ہیں جنہوں نے دفتر جانا ہے، الارم لگائے ہوئے ہیں اور دیر تک سوتے رہے جب اٹھے تو اچانک جب نظر پڑی گھڑی کی طرف تو بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ گھبرا کر پھر وہ جس طرح ہڑبڑا کے اٹھتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہڑبڑا کر اٹھنے کی توبہ سے غافل لوگوں کو ضرورت ہے کیونکہ وہ تواب بے شمار ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اتنی دیر کر چکے ہیں کہ ازسرنو ان کا زندہ ہونا، ازسرنو ان کے نئے رنگ اختیار کرنا، ازسرنو ان کا اپنے اندر وہ انقلابی پاک تبدیلی کرنا جس کے بعد انہیں ایک خلق آخر عطا ہونی ہے یہ تو بہت محنت کا کام ہے، بہت لمبا کام اور بہت صبر طلب کام ہے۔ تو اس لئے میں جب کہتا ہوں کہ اٹھیں اور بیدار ہوں تو میری مراد یہ ہے کہ اپنی اندرونی شخصیت کو دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولیں یہی آپ کا اٹھنا ہے۔

آنکھیں کھول کر دیکھیں تو سہی کہ آپ کے اندر کون بس رہا ہے اور کیا بس رہا ہے اور جب آپ آنکھیں کھولیں گے تو ہر منزل میں، ہر قدم پر آپ کو بہت خوفناک نظارے دکھائی دیں گے۔ کہیں دنیا کا حریص نظر آئے گا آپ کو جو دنیا کے اموال کو اتنا عزیز رکھتا ہے کہ خدا کی راہ پر خرچ کرنے میں اس کو ہمیشہ تکلیف محسوس ہوتی ہے، خواہش ہی نہیں پیدا ہوتی۔ کئی ایسے ہوں گے جن کو اس پہلو سے تو اطمینان ہوگا مگر اگلے موڑ پر جب مڑیں گے تو ان کا دل یہ دیکھ کر دہل جائے گا کہ مالی قربانی تو میں کر رہا ہوں مگر عبادت میں بالکل کورا ہوں اور خدا تعالیٰ سے محبت کے ساتھ اس کی طرف جھکنے کے لئے جس عبادت کی ضرورت ہے، اس کا آغاز بھی نہیں کیا۔ نماز پڑھتا بھی ہوں تو غفلت کی حالت میں، کھڑا ہوں، جھکتا ہوں، کھڑا ہوتا ہوں، سجدے میں گرتا ہوں، بیٹھتا ہوں اور پھر بیٹھ کے سلام پھیر دیتا ہوں اور اس حالت سے نکلنے کو میں امن کی طرف لوٹنا سمجھتا ہوں۔ مجھے قرار اس وقت

آتا ہے جب میں اس حالت سے نکل کر، باہر آ کر دنیا کو السلام علیکم کہہ دیتا ہوں۔ کہتا ہوں شکر ہے میں واپس آ گیا اور داخل ہونے کا وقت میرے لئے سب سے مشکل ہے اور اس دوران میری طبیعت بوریت کے سوا کچھ بھی محسوس نہیں کرتی کیونکہ جو کچھ بھی میں کہتا ہوں وہ لفظوں میں کہہ رہا ہوں۔ کوئی سننے والا میرے سامنے کھڑا نہیں ہوتا جس کو میں کچھ سنا کر بات کہوں اور اس کی طرف سے کوئی جوابی لہر دل میں نہیں اٹھتی جس سے محسوس ہو کہ کوئی سننے والا سن بھی رہا تھا اور اس نے میرے دل میں ایک حرکت پیدا کر دی ہے۔ پس ایسی نمازیں اگرچہ ابتداء فرض کی ادائیگی تک تو ٹھیک ہیں لیکن اپنی منفعت کے لحاظ سے بالکل خالی ہوا کرتی ہیں۔ سا لہا سال، بعض لوگ اپنی زندگیاں گزار دیتے ہیں ایسی نمازیں پڑھتے ہوئے، پانچ وقت وضو کر کے جائیں گے پورے اہتمام کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور پھر جب نکلیں گے تو خالی اور اس کی پہچان کیا ہے؟ پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں جا کر اس سے آنے کے بعد ان کے اندر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

پس بعض لوگ ایسے ہیں جو یہ معلوم کریں گے کہ ہم مالی حرص میں مبتلا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیوں سے بے خبر بلکہ طبیعت پران قربانیوں کے نام سے بھی بوجھ پڑتا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اس لحاظ سے پورے لیکن عبادت سے بے خبر اور غافل اور عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے کا تصور ہی ان میں نہیں ہے۔ یہ ان کو خیال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ہر عبادت کے بعد کچھ نہ کچھ مجھے اللہ کے قریب ہونا چاہئے۔ اگر زیادہ توفیق نہیں تو کچھ احساس، حاصل کا احساس یعنی کچھ مل گیا ہے اتنا تو ہو کہ نماز کے بعد میں محسوس کروں کہ آج مجھے کچھ خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کی لذت حاصل ہوئی ہے اور یہ جو قریب ہونے کی لذت ہے یہ کوئی فرضی لذت نہیں ہے۔

ہر نماز میں جہاں انسان اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے اس کے حضور اپنے آپ کو جھکاتا ہے تو کچھ لمحے اس کو ضرور ایسے نصیب ہو جاتے ہیں جب وہ محسوس کرتا ہے کہ ہاں میری یہ بات خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہوئی اور اس کا جواب جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے لفظوں میں نہ بھی ملے تو انسان کے دل میں ایک خاص قسم کی تحریک کے ذریعے مل جاتا ہے، اس کا دل مرتعش ہو جاتا ہے، اس میں ہی جان پیدا ہو جاتی ہے اور پہلے کی نسبت اپنے آپ کو وہ امن میں محسوس کرتا ہے۔ پس یہ وہ دوسرا پہلو ہے جو اپنے اندر کے انسان کی تلاش اور اس کی حقیقت اور جستجو کو پانے کی جدوجہد ہے اس سے

آپ غافل رہیں گے تو آپ زندگی کے مقاصد سے غافل ہیں اور یہ دونوں باتیں تو بڑی ہیں یعنی قرآن کریم نے مال اور جان کو خدا کی راہ میں پیش کر دینے کی بنیادی تعلیم دی ہے یہ اس سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں لیکن ان سے نیچے بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ہمارے اندر ایسی حالت میں قائم رہتی ہیں کہ گمان بھی نہیں آتا کہ ہمیں ان کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

مالی قربانی کی طرف اگر آپ توجہ نہیں کرتے تو کوئی توجہ دلانے والے آتے رہتے ہیں۔ کوئی دروازہ کھٹکھٹانے والا ہے، کوئی خط لکھنے والا سیکرٹری ہے وہ آپ کو یاد کرانے والے موجود ہیں لیکن بد خلقی ایک ایسا مضمون ہے جو روزمرہ کے معاملات میں انسان کو درپیش رہتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ کتنا بڑا جرم ہے، کتنا بڑا گناہ ہے۔ بد خلقی کے پہلو سے اب آپ دیکھ لیں تو بہ کے مضمون کو تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ جب تک انسان کا خلق اچھا نہیں ہوتا وہ باخدا انسان بن ہی نہیں سکتا۔ یہ وہم ہے کہ ایک انسان چندہ دینے والا ہو، عبادت کرنے والا ہو اور باخدا ہونے کے باوجود بد اخلاق بھی ہو۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں جو اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

اخلاق کا تعلق بنی نوع انسان کے حقوق کی ادائیگی سے ہے۔ اخلاق کا تعلق اس بات سے ہے کہ آپ اپنے باپ، اپنی ماں، اپنے بہن بھائی، اپنے بچوں، اپنے عزیزوں، اپنے اقارب، ملنے جلنے والوں سب سے اس طرح حسن سلوک کریں کہ آپ کی ملاقات، آپ کا تعلق ان کے لئے خوشی کا موجب بنے، کسی نفرت کا موجب نہ بنے اور آپ سے پوری طرح وہ امن کی حالت میں رہیں۔ سچے اخلاق کی یہی تعریف ہے۔ کسی کو یہ خطرہ نہ ہو کہ یہ میرے سے جو تعلق رکھ رہا ہے تو اس کی نیت میری کسی ملکیت پر ہے، میرے کسی مال پر ہے، میرے بعض حقوق پر ہے، میرے بعض رشتہ داروں پر ہے۔ اگر ایسی نیت اور یہ فساد تعلقات میں داخل ہو جائے تو یہ تعلقات اخلاق نہیں کہلائیں گے۔ یہ بد خلقی کی بدترین قسم بن جاتی ہے۔ یعنی اچھی بات کر کے، پیار اور محبت جتا کر بعض دفعہ بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں سے مالی معاہدات کرتے ہیں اور جب تک وہ معاہدات نہیں جاتے ان کے اخلاق دیکھنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر بات میں ان کا ادب، ہر چیز میں لحاظ بلکہ اس بات پر بار بار خوشی کا اظہار کہ کبھی خدمت کا موقع دیں، ہمارے گھر تشریف لے آئیں۔ بیوی بچے فدا ہوتے ہیں، یہ صاحب آئے ہیں جن کے ساتھ مالی معاہدہ ہونے والا ہے اور ہر طرح سے ان کی ہر ضرورت کا خیال

رکھا جاتا ہے، ان کی عزت کی جاتی ہے، ان کے بچوں کی عزت کی جاتی ہے، ان کے بچوں کو تحائف دینے ہوں تو اس سے بھی انسان گریز نہیں کرے گا بلکہ موقع ڈھونڈتا ہے کہ تحائف دے۔ یہ اخلاق ہیں اور ان اخلاق کے دھوکے میں آ کر جب کوئی ان سے سودا کر بیٹھتا ہے تو پھر اس کا جو مال ہے وہ جلدی سے جلدی ہڑپ کر کے اس سے چھٹی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور پھر جب وہی شخص جس کو کہتے تھے آئیے، گھر آئیں، سر آنکھوں پر، جب دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو لگتا ہے کوئی دشمن اور واقعہً وہ دشمن ہی بن چکا ہوتا ہے، کوئی دشمن دروازے کھٹکھٹا رہا ہے اور اگر اس گھر کا دوسرا دروازہ ہو تو دوسرے دروازے سے انسان نکل کر بھاگتا ہے۔ اس کا نام اخلاق ہے تو اس سے بڑی لعنت اور کوئی نہیں ہے۔ یہ دھوکہ بھی ہے، بے حیائی بھی ہے۔ انسانیت کے ادنیٰ ادنیٰ تقاضوں سے بھی گری ہوئی بات یہ ہے کہ انسان، انسانی تعلقات میں اپنے اخلاق کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کرے اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔

پس بظاہر بہت سے انسان آپ کو اخلاق والے دکھائی بھی دیتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے اس کردار کو اخلاق کہا نہیں جاسکتا۔ پھر روزمرہ کے ایسے انسان بھی دکھائی دیتے ہیں جو آپ سے براہ راست کچھ نہ بھی چاہتے ہوں مگر ان کا حسن سلوک، ان کی نرمی کی بات محض ایک سطحی بات ہے، ایک دکھاوا سا ہے اور جہاں کہیں بھی آپ کے مقاصد میں اختلاف ہو وہ اپنے پر پرزے نکالتے ہیں اور بڑی بد تمیزی اور بد خلقی سے آپ سے معاملہ کرتے ہیں تو اخلاق جو ایک بنیادی صفت ہے، اخلاق کو اس کے اصلی معنوں میں سمجھنا اور اختیار کرنا یہ باخدا ہونے کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ اتنی سی بات ہے، سادہ سی، کیوں لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر آپ کسی کو جان لیں کہ وہ بد اخلاق ہے تو آپ تو اس کا اپنے گھر پر سایہ بھی نہ پڑنے دیں گے۔ اس سے آپ دور بھاگتے ہیں ہمیشہ دور کی صاحب سلامت رکھتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بد خلق انسان کو اپنے قریب کر لے اور اپنی صحبت میں بٹھائے کیونکہ یہ ایک دائمی حقیقت ہے کہ وہ لوگ جو اچھے انسان ہوں وہ اچھی صحبت کو پسند کرتے ہیں اور اگر پتہ چلے کہ کوئی شریر انسان ان کی صحبت میں رہتا ہے تو اس کو دور کر دیتے ہیں۔ پس اللہ تو ہر بات کا عالم ہے، ہر بات سے واقف ہے، ہر چیز سے باخبر ہے وہ ایسے انسان کو جو اخلاقاً بد اخلاق ہو اس کو اپنے قریب نہیں بٹھاتا، اپنے قریب نہیں کرتا۔ تو اخلاق کو آپ سمجھتے ہیں معمولی بات



ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اخلاق باخدا ہونے کیلئے بنیادی شرط ہے اس کے بغیر انسان خدا والا ہو نہیں سکتا اور دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ جو خدا والا ہو وہ لازماً بااخلاق ہو جاتا ہے کیونکہ خدا والا کون ہوگا؟ قرآن کریم کی اس آیت نے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں لکھی اور جس کی تشریح سے متعلق میں اب آپ سے مخاطب ہوں متطہرین کو بیان کیا ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ تو متطہرین تو وہ ہیں جو ہر عیب سے ہمہ وقت پاک ہونے کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں اور جب ہر عیب سے ہمہ وقت پاک ہوئیگی کوشش کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے قریب تر ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا ہی کی صفت ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔

پس مرکزی نکتہ اس آیت کے پیغام کا یہی ہے کہ جو اللہ جیسا ہونے کی کوشش کرتے ہیں، متطہرین کا مطلب ہے کیونکہ پاک صرف اللہ کی ذات ہے اس لئے جو متطہر ہے وہ خدا کی صفات اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور جب خدا کی صفات اپنالیتا ہے تو دنیا کے لحاظ سے بھی ایک کامل بااخلاق انسان بن کر واپس دنیا کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اپنا کر وہ دنیا کی طرف لوٹے اور بد اخلاق ہو۔ پس دونوں پہلوؤں سے ایک انسان اپنے نفس کو پہچان سکتا ہے اور یہ جو پہچاننے کا وقت ہے اس کی طرف میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں کہ کوئی لمبا وقت نہیں ہے، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، ہمہ وقت موت سر پر لٹکی رہتی ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو شادیوں میں شرکت کے لئے جاتے ہیں اور پہنچنے سے پہلے حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض کو اندر اندر بیماریاں کھا رہی ہیں اور پتا اس وقت چلتا ہے جب کہ بیماری گھیرا ڈال لیتی ہے اور نچنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔

تو ایسے حالات میں جب انسان کو خود اپنی موت کا کچھ پتا نہیں کہ کب آئے اور کہاں سے آئے وہ ایسا مطمئن ہو کہ اپنے جاگنے کی فکر ہی کوئی نہ کرے بلکہ آنکھ کھلے تو پھر سو جائے پھر کبھی کوئی وقت کی آواز سے جگائے تو پھر سو جائے ایسے انسانوں کی موت نیند ہی کی حالت میں ہو جاتی ہے اور ان پر قرآن کریم کی وہ آیت صادق آتی ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی انسان کو وفات دیتا ہے تو ایک تو نیند کی حالت ہے جس میں اس کی روح کو قبض کرتا ہے لیکن پھر اسے واپس کر دیتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو نیند ہی کی حالت میں کھینچ لئے جاتے ہیں اور پھر ان کی واپسی، کوئی واپسی نہیں ہوتی، پس اسی کا نام موت ہے۔ دو نیند اور موت کی باتیں قرآن کریم نے کی ہیں اس کو ہم عام طور پر ظاہری معنوں میں

ہی دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد عام طور پر سونا اور عام طور پر جاگ کر دوبارہ زندہ ہونا ہے لیکن فی الحقیقت اگر آپ ان آیات کریمہ پر دوبارہ غور کریں، گہری نظر سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانی غفلت کی حالت کا ایک بہت ہی عجیب نقشہ اس میں کھینچا گیا ہے۔ کتنے ہی آدمی ہیں جو غفلت کی حالت میں ایسے ہیں کہ گویا ان کی روح قبض ہونے کے قریب بیٹھی ہے اور کچھ ایسے ان میں سے ہیں جن کو خدا واپس کر دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں بھیج کر ان کی آنکھیں کھولتا ہے اور وہ نیند کی حالت سے روشنی کی حالت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ مگر بہت سے ایسے ہیں جو اسی حالت میں پھر وہ پوری طرح کھینچ لئے جاتے ہیں اور کبھی انہیں دوبارہ اس دنیا کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب ان کی روح قبض کر لی جاتی ہے تو کہتے ہیں ایک دفعہ ہمیں پھر بھیج۔ یہ جو ایک دفعہ پھر بھیجنے کا مضمون ہے یہ دراصل روزمرہ اس کے تجربے میں آتا ہے اور کوئی ایسا خیال نہیں جو عام انسانی تجربے کے برعکس دل میں پیدا ہوا ہے۔ ہمیشہ انسان یہ ہی دیکھتا ہے سوتا ہے اور جاگ اٹھتا ہے، سوتا ہے اور جاگ اٹھتا ہے اور مذہبی دنیا میں جب وہ سوتا ہے اور نہیں جاگتا اس کو خیال نہیں آتا کہ میں تو عملاً ایک موت ہی کی شکل اختیار کر چکا ہوں۔ پس جاگنے کا وقت اب ہے جبکہ آپ اس دنیا کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ جب ظاہری موت آپ کو دبوچ لے گی تو قرآن کہتا ہے کہ پھر آپ کے جاگنے کا وقت ختم ہو چکا ہوگا، پھر آپ خواہش بھی کریں گے کہ اے خدا ہمیں دوبارہ بھیج ہم پھر بیدار ہو کر تیرے احکام کی فرمانبرداری کریں اور ایک نئی زندگی اور پاکیزہ زندگی بنائیں تو ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ تو موت جو ہر وقت لٹکی ہوئی ہے اس کو ہمیشہ بھلائے رکھنا اس سے بڑی بے وقوفی اور کیا ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ میں بار بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں ہم میں سے بھاری اکثریت ان کی ہے جو احمدیت قبول کرنے کے باوجود غفلت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں اور اتنی لمبی تفصیل ہے ان باتوں کی جن میں سے ہر ایک بات کو دکھا دکھا کر ان کو توبہ کروانے کی ضرورت ہے کہ وہ کسی ایک خطبے میں بیان ہی نہیں ہو سکتی۔ روزمرہ کا ہمارا تجربہ ہے۔ اگر اپنا وجود دکھائی نہیں دیتا تو دوسرے وجود تو آپ کو دکھائی دیتے ہی ہیں اور یہ ایک ایسا مضمون ہے جس سے ہر انسان واقف ہے۔ چنانچہ ایک انسان کیسی ہی گندی زندگی بسر کر رہا ہو اگر اس سے کوئی دوسرا شخص بدسلوکی کرے تو اس کے سارے عیب

اس کو اچانک دکھائی دے دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے تم تو ایسے ہو، تم تو ایسے ہو، تم نے تو خواہ مخواہ دین کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ تم نے میرا پیسہ کھا لیا ہے، تم نے مجھ سے دھوکہ کیا، تم نے مجھ سے نا انصافی کا سلوک کیا۔ سارے عیوب اس کے اچانک دکھائی دینے لگتے ہیں اور دراصل یہ بھی اس کی اپنی غفلت ہی کی حالت ہے جسکی نشان دہی ہو رہی ہے۔ ایک انسان اگر ان کو عیوب سمجھتا ہے تو اپنے تعلقات میں پہلے کیوں ان کی طرف اس نے توجہ نہ کی۔

ایک آدمی نیک ہوتے ہوئے بھی اگر بد تھا تو اس کو اس نے برداشت کیا، اس کی پرواہ بھی نہیں تھی اس کو لیکن جب اپنے معاملے میں بد ہوا تب ہوش آئی۔ تو دوسروں کی بدی دیکھنے کے لئے تو انسان کو اس طرح ہوش آتی ہے کہ وہ بدی اس کے خلاف کام کرے اور اگر اس کے خلاف کام نہ کرے تو ساری دنیا کے خلاف کام کرتی پھرے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ ایک آدمی دوسروں سے بد تمیزی کرتا ہے، لنگے بازی کرتا ہے، شرارتیں، فساد اور پھر بھی بعض مجلسوں میں بیٹھا رہتا ہے اور قبول رہتا ہے اور جب اپنے خلاف کام کرے تو اچانک انسان اس کو دھتکار کر اپنی چوکھٹ سے دور کر دیتا ہے یا دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

تو یہ جو غفلتوں کی حالتیں ہیں یہ اپنی ذات سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور دوسروں کی ذات سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور ایک لازمی سلسلہ ہے۔ ایک تو موت کے پہلو سے جلدی ہے دوسری صدی کے لحاظ سے مجھے بہت جلدی ہے اور میں اس معاملے میں سخت بے قرار ہوں کہ کسی طرح جماعت اٹھ کھڑی ہو، بیدار ہو جائے کیوں کہ ہماری صدی گزرنے میں بہت تھوڑا وقت باقی ہے اور ایسی نئی صدی میں ہم نے داخل ہونا ہے جب کہ ساری دنیا کی ذمہ داریاں ہم پر پہلے سے بہت زیادہ ڈالی جائیں گی اور یہ ذمہ داریاں کئی طرح سے پہلے سے زیادہ ہوں گی اول یہ کہ ہر صدی کے موڑ پر خدا تعالیٰ نے ایک انقلاب برپا کر رکھا ہے۔ وہ انقلاب تو نظر آتا دکھائی دے رہا ہے۔ اس انقلاب کے تقاضے ہیں جو ہم نے پورے کرنے ہیں اور جو خدا تعالیٰ نے اسلام کی تائید میں ہوائیں چلائی ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھانا ہے، اپنی صلاحیتوں کے بادیان کھولنے ہیں، ان کا رخ ایسا کرنا ہے کہ وہ ہوائیں ان میں بھر کر انہیں بڑی تیزی سے آگے بڑھائیں اور اس صدی کے اختتام میں تین سال بمشکل باقی ہیں۔ اس لئے ایک تو یہ فکر کی بات ہے کہ ہم اس صدی کے اختتام تک کیا واقعی نئی آنے والی ذمہ داریوں کے

ادا کرنے کے اہل ہو چکے ہوں گے۔

ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر رہی ہے اور تیزی کے ساتھ انقلاب برپا ہو رہا ہے وہاں اس انقلاب کے اپنے جو تقاضے ہیں ان کو وہ کیسے پورا کر سکتے ہیں۔ دیکھو ایک آدمی اگر کسی ایک شخص کو مسلمان بنالے تو اس کو اپنے ساتھ لگا کر اپنے پروں کے نیچے رکھ کر ان کی تربیت کرنا بھی ایک بڑا کام ہے اور بہت کم ہیں جو اس کام کو جیسا کہ حق ہے ادا کرتے ہیں۔ بیعت کروالی اور سمجھ لیا کہ مقصد حل ہو گیا حالانکہ بیعت کے ساتھ مقصد حاصل کرنے کا آغاز ہوتا ہے نہ کہ مقصد حاصل ہونا۔ بیعت تو اس کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا یعنی جماعت احمدیہ کی پناہ میں آ گیا اور کہا اب مجھ پر جو عمل کرنا ہے کرو، جیسا مجھے بنانا چاہتے ہو بنا لو اور اگر آپ بیعت ہی کو انجام سمجھیں اور وہیں بات ختم کر دیں تو جیسا وہ تھا ویسا ہی رہے گا بلکہ جہاں وہ جائے گا وہاں بھی اپنے گرو و پیش کو اپنے جیسا بنانا شروع کر دے گا۔ پس بجائے اس کے کہ اس کا آنا آپ کے لئے بابرکت ہو اس کا آنا بعض دفعہ نحوستوں کا موجب بن جاتا ہے کیونکہ بہت سی بد رسموں میں مبتلا آتا ہے، بہت سی اندرونی بیماریوں کا شکار آتا ہے۔ اگر آپ نے فوری طور پر اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی تو ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنی بیماریاں اس نئے ماحول میں منتقل نہ کرے جس ماحول نے اسے اپنایا ہے۔

تو یہ جو تقاضے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا ان کو اگر میں گننا شروع کروں تو ایک دو چار خطبوں میں بھی ان کو پوری طرح آپ کے سامنے کھول کر بیان نہیں کر سکتا مگر باتیں ایسی ہیں جو بہت ہی پریشان کن ہیں اور طبیعت میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔ لگتا ہے تھوڑا وقت ہے اور کام بے انتہا پڑا ہوا ہے۔ آخر کیا کرے انسان کہ ساری جماعت کو اس کام میں دین کی مدد کے لئے آمادہ کر سکے۔ اسی قسم کی بے چینی کا اظہار حضرت عیسیٰ نے اس طرح کیا تھا کہ اعلان کیا مَنْ أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ (الصف: 15) اور قرآن کریم نے جو اس ایک فقرے کو محفوظ فرمایا ہے یہ صاف بتا رہا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے دل میں شدید بے قراری پیدا ہوئی تھی اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا، چند کے سوا کسی نے ان کی تائید کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس وقت آپ نے یہ اعلان کیا مَنْ أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ کون ہے جو اللہ کی خاطر میری مدد کرے۔

قرآن کریم فرماتا ہے اس آواز پر لبیک کہنے والے کچھ ضرور پیدا ہوئے اور وہ لبیک کہنے والے شروع میں تھوڑے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خلوص کو قبول فرمایا فَاصْبَحُوا ظَهْرَيْنَ وہ جو تھوڑے تھے وہ غالب آگئے۔ یہ تاریخ ہے ساری عیسائیت کے غلبے کی اور اس غلبے کے آغاز کی اور اس کا آغاز کیسے، کس جگہ سے شروع ہوا؟ عیسائیت کے غلبے کا آغاز حضرت مسیح کے دل سے ہوا ہے اور دل کی اس بے قراری سے ہوا ہے جس کا اظہار قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ فرمایا مَنْ أَنْصَارِيَّ إِلَى اللَّهِ - کون ہے جو خدا کے نام پر میری مدد فرمائے، خدا کے کام کے لئے میری مدد کو آگے آئے تو یہی وہ آواز ہے جو اس دور کے مسیح نے بھی دی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی آواز کو دوبارہ اٹھایا ہے لیکن کام اس سے بہت زیادہ ہے جتنا مسیح اول کو درپیش تھا۔ مسیح اول کے سپرد تو بنی اسرائیل کی بدیوں کو دور کرنا تھا اور بنی اسرائیل کی محدود ضرورتوں کو پورا کرنا تھا مگر مسیح محمدی کا کام تو سارے جہان میں پھیلا پڑا ہے اور بدیوں نے جس جس طرح سراٹھایا ہے اور جس نئے رنگ میں ظاہر ہوئی ہیں وہ اتنی زیادہ اور اتنے خوفناک انداز کے ساتھ اٹھی ہیں کہ ایک ایک ملک کو بدیوں میں غرق کر دیا گیا ہے اپنے طوفان اور اپنے سیلاب میں۔ آپ جو ہالینڈ میں بستے ہیں ہالینڈ کے گرد و پیش کا جائزہ لیں اور ہالینڈ کے شہروں میں جو بدیاں ہر روز ہو رہی ہیں، جس طرح قوم کا مزاج بگڑ رہا ہے، جس طرح یہ مزاج بگڑتے بگڑتے اب ایک عوامی شناخت اختیار کر گیا ہے یعنی قوم ان بدیوں کو برا نہیں دیکھ رہی اور ان کی طرف بڑھنے کو اور ان کو ٹیلی ویژن پر اور اپنے نیوز میڈیا کے ذریعے دنیا کو دکھانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی اور ہر قدم پہلے سے اور آگے اسی سمت میں بڑھ رہا ہے۔

پس ان سب کا رخ موڑنا اور انہیں اسلام کی طرف واپس لے کے آنا کیسے ممکن ہے اگر آپ خود توبہ کر کے الْمُتَّطَهِّرِينَ میں داخل نہ ہو چکے ہوں۔ تو دراصل کام بے انتہا زیادہ ہے اتنا کہ اس کا شمار ممکن نہیں مگر حل اس چھوٹی سی آیت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو اللہ کے دین کا ناصر بنانا چاہتا ہے، جو اعلان کرتا ہے کہ میں انصاری الی اللہ میں سے ہوں اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ توبہ کرے اور توبہ کر کے اپنی پہلی زندگی سے منہ موڑ لے اور ایسا منہ موڑے کہ پھر

دوبارہ اس کا خیال تک دل میں نہ لائے اور یہ تب ممکن ہے کہ پاک ہونا چاہے اور پاک ہونے کی خواہش دل میں پیدا ہو جائے یعنی بدیوں کی خواہش کی بجائے نیکی کی خواہش پیدا ہو جائے اور انسان واقعہً دل سے چاہے کہ وہ اچھا ہو جائے۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ** کہ اللہ تعالیٰ ایسے پاک ہونے والوں سے محبت کرتا ہے۔

پس اللہ کی محبت جس قوم کو نصیب ہو جائے اس کی فتح ہی فتح ہے۔ جس سے خدا محبت کرنے لگے اس پر دنیا کی نعمتیں غالب آہی نہیں سکتیں۔ مگر ایسے ہیں تھوڑے اور ضرورت ہے کہ تیزی سے ان کی تعداد کو بڑھایا جائے۔ ہالینڈ ہی کی مثال کو پھر لیتے ہیں کیونکہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس مضمون کو ہالینڈ کے حوالے سے آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ایک لمبے عرصے سے میں یہاں تحریک کر رہا ہوں کہ تبلیغ کرو اور تبلیغ کے ذریعے روحانی اولاد پیدا کرو اور ایک لمبے عرصے سے جب بھی آتا ہوں ہمیشہ بھاری دل سے آپ سے شکوہ کرتا ہوں کہ تبلیغ آپ نے کی تو ہوگی کیونکہ رپورٹوں میں کہیں کہیں دکھائی دیتی ہے مگر عملاً اس کے پاکیزہ پھل مجھے نظر نہیں آرہے، جیسی جماعت پہلے تھی ویسی ہی ہے۔

جب پوچھا جائے کہ بتاؤ کتنی بڑھی ہے تو کہتے ہیں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تیس یا چالیس یا پچاس کا اضافہ ہوا ہے۔ جب پوچھا جائے کہ وہ کیسے ہوا تو بتاتے ہیں کہ پاکستان سے ہجرت کر کے لوگ آئے ہیں۔ حالانکہ مجھے پاکستان سے ہجرت کرنے والوں کی نسبت ان لوگوں سے بہت زیادہ دلچسپی ہے جن کی ہجرت میں محمد رسول اللہ ﷺ نے دلچسپی ظاہر فرمائی اور وہ ہجرت بدوطن سے ہجرت کر کے نیک وطن میں داخل ہونا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کو جس ہجرت میں دلچسپی ہے اور ہمیشہ رہے گی کیونکہ آپ اس پہلو سے ایک زندہ نبی ہیں، آپ کی دلچسپیاں بھی قیامت تک زندہ رہیں گی اس پیمانے سے جب دیکھا جائے تو مجھے یہ بات بھلا کیا خوش کر سکتی ہے کہ اضافہ ہوا ہے ماشاء اللہ پاکستان سے بیس، تیس، چالیس، پچاس ہجرت کرنے والے یہاں آگئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جنہوں نے پاکستان سے ہجرت کی، یہاں آنے کے بعد ان کی ہجرت کس طرف ہے۔ اگر ان کے معصوم بچے یہاں کی تربیت حاصل کر کے، ان کی معصوم بچیاں ان کے ماحول میں مل جل کر وہ بے دین ہونے لگیں اور نفسانی آزادی اور نفسانی خواہشات کی بے دھڑک پیروی کرنا ان کے نصیب میں لکھا جائے تو یہ ہجرت کیسی ہجرت ہے۔ یہ تو اچھے شہر سے برے شہر کی طرف ہجرت ہوگی اور آنحضرت ﷺ نے

جس ہجرت کا ذکر فرمایا ہے وہ تو بالکل برعکس ہے۔

پس یہ وہ ہجرت ہے جس کے ذریعے تعداد بڑھنی چاہئے اور یہ ہجرت اندرونی طور پر بھی دکھائی دینی چاہئے اور بیرونی طور پر بھی دکھائی دینی چاہئے۔ اندرونی طور پر اس طرح کہ آپ میں ہر روز ایسے نوجوان، ایسے بوڑھے مرد اور عورتیں بلکہ بچے بھی پیدا ہوں جو اپنے اندر یہ پاک تبدیلی پیدا کریں، یہ عہد کر لیں ایک دن، جاگ اٹھیں۔ اپنی برائیوں کی فہرست بنائیں اور معلوم کریں کہ ان کی شکل ہے کیا۔ ایک وہ شکل ہے جو وہ دنیا کو دکھاتے ہیں باوجود کوشش کے پھر بھی اس کے سارے عیوب چھپا نہیں سکتے لیکن ایک وہ شکل ہے جو اپنے اندر چھپائے بیٹھے ہیں وہ شکل اس سے بہت زیادہ بھیانک ہے جو دنیا دیکھ رہی ہے اور اس شکل کو دیکھے بغیر اس کے داغ دور کرنے کی طرف توجہ کیسے پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے زیادہ اس شکل کو دیکھنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے جو ہر انسان کے اندرون کی تفصیل جانتا ہو وہ ایسی ایسی باریکیوں کو بھی جانتا ہے، ایسے ہلکے داغوں کو بھی دیکھ رہا ہے جو خود انسان کی اپنی نظر میں ہی نہیں آسکتے۔ مگر خدا کے بعد اگر کوئی ہے تو ہر شخص خود ہے جو چاہے تو اپنے داغ دیکھ سکے مگر مصیبت ہے اور بہت بڑی مصیبت ہے کہ داغ دیکھ سکتا بھی ہے تو دیکھتا نہیں اور اگر کوئی توجہ دلائے تو اس کے خلاف غصہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو اپنے داغ دیکھ تیرے اندر کتنے کتنے داغ ہیں خواہ اس نے نیکی اور بھلائی کی خاطر بات کی ہو مگر جب کسی کی کمزوری اس کو یاد دلائی جائے تو بڑے غصے سے بھڑک اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ تو کون ہوتا ہے میرے معاملات میں دخل دینے والا، اپنا حال دیکھ اور بسا اوقات جس کو کہتا ہے اپنا حال دیکھ نہ وہ اپنا حال دیکھتا ہے نہ یہ اپنا حال دیکھتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا میں نے بہت غور کیا ہے ان معاملات پر اور گہری نظر سے میں دیکھتا ہوں کہ اکثر نصیحت کرنے والے حقیقت میں نیک نیتی سے نہیں کرتے بلکہ جب ان کو کوئی غصہ ہو، جب ناراضگی ہو تب وہ دوسرے کو اس کی برائیاں دکھاتے ہیں اس سے پہلے خاموش بیٹھے رہتے ہیں اس لئے پہلا قدم ہی منحوس ہے۔ عورتوں کے معاملات میں تو خاص طور پر یہ بات صادق آتی ہے۔ بڑے گہرے تعلقات ہوتے ہیں اور ایک دوسری کی برائیاں جانتی ہیں بلکہ بعض دفعہ مبالغہ کر کے بھی دیکھ رہی ہوتی ہیں لیکن جب تک آپس میں اختلاف نہ ہو، جب تک کوئی انتقام نہ لینا ہو اس وقت تک وہ برائی بتاتی نہیں ہیں اور جب بتاتی ہیں تو غصے کی وجہ سے بتاتی ہیں جس

سے اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔ نفرت سے بتاتی ہیں جس کے پیٹ سے اور نفرت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح بجائے اس کے کہ ایک دوسرے کو اس کی کمزوریوں سے آگاہ کرنے میں مدد دینا، فائدہ پہنچائے الٹا نقصان پہنچا دیتا ہے۔

پس سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ خود جاگیں کیونکہ اگر آپ جاگ کر اپنے آپ کو دیکھیں گے اور اپنے آپ کو بد کہیں گے تو اس کا غصہ کسی پر نہیں ٹوٹے گا۔ آپ کا نفس آپ کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا بلکہ صرف آپ ہیں جس کے سامنے آپ کا نفس سر جھکا سکتا ہے۔ پس اس سے زیادہ اور کوئی نصیحت ممکن نہیں کہ تو ابین میں ہو جائیں۔ تو ابین سے مراد یہ نہیں ہے کہ لوگ ان کو توجہ دلا رہے ہوں۔ تو ابین کا مطلب ہے وہ خود اپنے دل میں اپنی کمزوری کا ایک احساس بیدار کر لیں کہ اپنی کمزوری سے خود شرمندہ ہونے لگیں۔ اپنی بیماری کے احساس سے وہ دور بھاگنے لگیں اور اس گھبراہٹ میں وہ چاہیں کہ وہ ٹھیک ہو جائیں اور یہ مثال صرف روحانی بیماریوں میں نہیں، جسمانی بیماریوں میں بھی ہمیں اسی طرح دکھائی دیتی ہے۔ ایک انسان جس کے اندر کینسر پل رہا ہے بسا اوقات غفلت کی حالت میں رہتا ہے تو کینسر اس کو دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اب جب میں یہاں آ رہا تھا تو ایک دن پہلے مجھے ایک خاندان والے ملنے آئے اور اپنے ایک عزیز کے متعلق انہوں نے یہی بتایا کہ کینسر تھا لیکن ایک لمبے عرصے سے جس کو کینسر تھا اس کو پتا ہی نہیں چلا کیونکہ بعض دفعہ اگر شوگر کی بیماری یعنی ذیابیطس ہو تو درد کے احساس میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور وہ جو باریک ریشے نسوں کے درد کی کیفیت کو دماغ کی طرف منتقل کرتے ہیں ان کے اوپر شوگر یعنی میٹھا جم جم کے انہیں ماؤف کر دیتے ہیں۔ وہ ماؤف ہونے کی وجہ سے باوجود اس کے کہ تکلیف موجود ہے آگے اس کے دماغ کو اطلاع نہیں کرتے۔ چنانچہ جس مریض کی بات ہو رہی ہے اس کو بھی ذیابیطس تھی اور ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے کہ اس وجہ سے وہ کینسر اندر اندر پھیلتا رہا ہے اور پتا بھی نہیں لگا اور اب جو منزل پہنچ گئی وہ ایسی ہے کہ جس کے متعلق ڈاکٹروں نے ہاتھ کھینچ لئے ہیں۔ انہوں نے کہا نہ دوا ممکن ہے نہ ہم تیار ہیں کسی قسم کی دوا کی کوشش کرنے کیلئے کیونکہ اب جو بھی ہم اصلاح کرنے کی کوشش کریں گے اس کی تکلیف میں اضافہ ہوگا۔

تو دیکھو تو بہ کا وقت بعض دفعہ اس طرح گزر جاتا ہے کہ جن کو خدا تعالیٰ نے اصلاح کی



صلاحیتیں بخشی ہوں وہ بھی ہاتھ اٹھا لیتے ہیں کہ ہم میں طاقت نہیں رہی اور جو ذیابطیس ہے یہ کوئی جسمانی بیماری صرف نہیں بلکہ روحانی بیماری بھی یہی ہے۔ دنیا کے میٹھے کی چاٹ پڑ جانا ایسے انسان کو اپنی اندرونی کڑواہٹوں کے احساس سے بے خبر کر دیتا ہے اور روحانی بیماریاں موجود ہیں مگر انکا دکھ محسوس نہیں کرتا، جب وہ دکھ محسوس نہیں کرتا تو بسا اوقات وہی حال ہوتا ہے جو اس مریض کا ہوا جس کے متعلق اس کے عزیز گھبرائے ہوئے میرے پاس پہنچے کہ اب تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہمیں پتا ہے کیا ہے لیکن ہم نے اصلاح کی کوشش بھی نہیں کرنی کیونکہ اب وقت گزر چکا ہے۔

تو پیشتر اس کے کہ وہ وقت گزر جائے جب کہ اس کی بیماریاں بالآخر سراٹھائیں اور دکھائی دینے لگیں اور بہت طبیعت کو بری لگیں لیکن ان کی اصلاح کا وقت نہ ہو تو خواہ موت اچانک آجائے یا ایسے وقت میں بیدار ہو انسان کہ جب اصلاح کا وقت گزر چکا ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے بیدار ہونے کی ضرورت ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اپنے نفس کو خود پہچانیں اور خود اس کو پکڑیں کیونکہ بیرونی آواز کے خلاف آپ کو ضرور رد عمل ہوگا اور بہانے بنانا تو انسان کی فطرت میں ایسا داخل ہے کہ اگر یقین بھی ہو کہ سمجھانے والا خالصتہً نیک نیت سے سمجھا رہا ہو پھر بھی اسکو جواب میں یہی کہتے ہیں کہ جی آپ کو نہیں پتا، نا انصافی ہوگئی ہے غلط رپورٹیں کرنے والوں نے آپ کو ہم سے بدظن کر دیا ہے۔ چنانچہ اکثر میرا یہی تجربہ ہے۔ بعض دفعہ کسی کے متعلق شکایتیں پہنچتی ہیں کہ یہ یہ حال ہو گیا ہے اس کا، سوسائٹی اس سے بیزار بیٹھی ہے اس کو سمجھانے کی کوشش کریں تو جب سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ان کے لمبے چوڑے خط آتے ہیں کہ آپ کو تو لوگوں نے یک طرفہ باتیں کر کے بہکا دیا ہے ہم تو ایسے نہیں۔ ہم تو بالکل صاف ستھرے اور پاک لوگ ہیں، صاف انکار کر دیتے ہیں حالانکہ ساری سوسائٹی گواہ ہوتی ہے کہ وہ حد سے گزر چکے ہیں اب لیکن آدمی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ بعض دفعہ جھوٹ کا بھی انسان کو نہیں پتا چلتا۔ اپنے دفاع میں واقعہً انسان اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ جو سخت جھوٹا ہے اس کو بھی آپ جھوٹا کہیں تو بعض دفعہ ایسا رد عمل دکھاتا ہے کہ خون لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، ہیں! تم کون ہوتے ہو مجھے جھوٹا کہنے والے یعنی وہ شخص جس کو ساری دنیا جھوٹا جانتی ہے اس کو اگر منہ پر کہہ دیا جائے کہ جھوٹا ہے تو اس کو برداشت نہیں کرتا۔

تو انسانی بیماریوں کا تو یہ حال ہے اور ہمیں پیدا کیا گیا ہے ان کو دور کرنے کے لئے، اس

لئے جب میں مسلسل خطبات میں آپ کو توبہ کا مضمون سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو اکتائیں نہیں، مجھے معذور سمجھیں اس بات میں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ایسا مضمون ہے جو آسانی کے ساتھ دل تک پہنچا نہیں کرتا۔ انسان سمجھتا ہے اچھا ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کے حق میں اچھا ہے۔ جب اپنے اوپر بات آئے تو وہاں اس کی قبولیت کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں اور اگر کھولتا بھی ہے تو گھبراتا ہے کیونکہ اندھیروں میں رہتے رہتے روشنی بری لگنے لگتی ہے۔

پس اس لئے آپ دعائیں کریں اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں اور مرکزی دعا کا نکتہ وہی ہے جو سورۃ فاتحہ کی مرکزی آیات ہیں اور ہر نماز میں آپ ان کی تلاوت کرتے ہیں۔ ان کو ہوش سے، کم سے کم ان کو توجہ سے پڑھیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اے ہمارے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ فیصلہ کر لیا ہے کہ تیرے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اتنا مشکل کام ہے، ایسا بڑا دعویٰ ہے کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ مدد بھی تجھ سے مانگتے ہیں۔ تو توفیق دے گا تو ہمیں یہ نصیب ہوگا ورنہ یہ نصیب ہو نہیں سکتا۔ پس اس انکسار کی حالت تک پہنچ کر اپنے آپ کو بالکل بے بس دیکھتے ہوئے اور جانتے ہوئے، یقین کرتے ہوئے پھر جب خدا تعالیٰ سے آپ یہ دعا کریں گے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں تو آپ کے اندر انقلاب برپا ہوگا اور وہ انقلاب ایسا نہیں ہوگا جو پھر دکھائی نہ دے کیونکہ جس کے اندر شعور جاگتا ہے اس کا جاگنا دنیا دیکھ لیا کرتی ہے۔

دیکھو نبیوں کا شعور جب جاگتا ہے تو کل عالم کو ہلادیا کرتا ہے۔ قوموں کے اندر ایک ارتعاش پیدا کر دیتا ہے۔ پس وہ شعور جگائیں جس شعور کا جاگنا اسلام کے لئے لازم ہے۔ وہ شعور جگائیں جو عالمی انقلاب کے لئے ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جس طرح شعور جاگا اور ساری دنیا کی اصلاح کے لئے آپ بے قرار ہوئے چھین ہو گئے اسی طرح اپنے شعور کو پہلے اپنی اصلاح پر تو آمادہ کریں۔ اپنے چھوٹے سے عالم کی جو آپ کے نفس کا عالم ہے جو آپ کے سینے کے اندر چھپا ہوا ہے، جو باہر دنیا کو دکھائی بھی نہیں دیتا جو آپ کے بازوؤں میں سمٹا ہوا ہے اس کو تو پہچانیں، اس کو تو دیکھیں، اس میں انقلاب پیدا کرنیکی تو تمنا دل میں پیدا کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں یہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر آپ چھپے ہوئے وجود نہیں رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میرا بھی تو یہ حال تھا یعنی اور معنوں میں فرماتے ہیں مگر بات وہی ہے کہ مجھے تو کوئی جانتا نہیں تھا، میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہیں تھی اور یہ بے بسی کے عالم میں بتا رہے انبیاء چاہتے ہیں کہ وہ نہ پہچانے جائیں۔ انبیاء جنہوں نے نبی بنا ہو وہ اپنی نیکیاں چھپاتے پھرتے ہیں جس طرح غیر نبی اپنی بدیاں چھپاتے پھرتے ہیں۔ مگر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب ان کو خدا تعالیٰ بیدار کرتا ہے بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے تو ان کا جاگنا ایک عالم کا جاگنا ہو جاتا ہے۔ ان کے دل کی بے قراری سب عالم کی بے قراری بن جاتی ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ پھر وہ چھپے رہیں۔

پس آپ جاگیں تو اس طرح جاگیں کہ ہالینڈ ساتھ جاگ اٹھے، آپ پس آپ جاگیں تو اس طرح جاگیں کہ آپ کا گرد و پیش، آپ کا ماحول جاگ اٹھے، آپ کے گھر والے جاگیں، آپ کے بچے جاگیں اور ان کے اندر ایسی پاک اور نیک تبدیلیاں پیدا ہوں کہ وہ دیکھنے والوں کو دکھائی دیں۔ جب تک وہ تبدیلیاں آپ کے اندر پیدا نہیں ہوتیں اس قوم کی تقدیر بدل نہیں سکتی۔ یہ قوم سوئی رہے گی اور آپ بھی سوئے رہیں گے اور اس حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف واپس جائیں گے کہ اپنی کوئی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکیں گے تو ایک بہت بڑا خطرے کا مقام ہے جس کو میں آپ کو دکھا رہا ہوں، بہت بڑا خطرے کا الارم ہے جو میں بجا رہا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں اور بار بار متنبہ کرتا ہوں کہ اپنے اندرونی انسان کو جگائیں جو سویا پڑا ہے۔ اس کے جاگنے کے ساتھ پھر حقیقت میں آپ جاگیں گے تو دنیا جاگے گی آپ کا ماحول جاگے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین